ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 407

Program:

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY, ISLAMABAD

Course: جدید تاریخ اسلام (407) • Level: B.A.

Semester: Autumn 2026

Assignment No. 2 (Units 5–8)

Total Marks: 100 • Passing Marks: 40

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(For Study & Reference)

Note: This guide is prepared for study and reference purposes. Students are advised to read the relevant units of the course book, understand the concepts, and then write the assignment in their own words. Copying this guide word for word is not recommended.

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ متعلقہ یونٹوں کا مطالعہ کر کے جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں (20 نمبر)

تعارف

یونٹ 5 تا 8 میں مشرق وسطیٰ کے اہم ممالک — شام، فلسطین، عراق، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور ایران — کی جدید تاریخ کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ خطہ تیل کی دولت، عرب اسرائیل تنازع اور بڑی طاقتوں کی رقابت کی وجہ سے بیسویں صدی کی عالمی سیاست کا مرکز رہا۔ درج ذیل مختصر سوالات انہی ممالک کے بنیادی واقعات سے متعلق ہیں۔ ہر جواب درست تاریخ اور ضروری پس منظر کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے تاکہ طالب علم خطے کی سیاسی ترتیب کو سمجھ سکے۔

جدول 1: اہم واقعات کی زمانی ترتیب

اہمیت	واقعہ	سال
عراقی معیشت کی بنیاد	عراق میں تیل کی دریافت (کرکوک)	1927ء
عراقی قوم پرستی کا اظہار	رشید علی گیلانی کی وزارت	1941ء
تیل قومیانے کی تحریک	ڈاکٹر مصدق وزیر اعظم ایران	1951ء
تیل سیاست میں امارات کا کردار	ابو ظہبی / امارات کی اوپیک رکنیت	1967ء/1974ء

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

او آئی سی کے قیام کا محرک	مسجد اقصیٰ کی آتش زنی	1969ء
فلسطینی سفارت کاری کا اہم قدم	ریاست فلسطین کا اعلان	1988ء

1۔ شام کے برطانیہ سے تعلقات کب بحال ہوئے؟

شام کے برطانیہ سے تعلقات مئی 1973ء میں بحال ہوئے۔ جو 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے موقع پر شام نے برطانیہ اور امریکہ پر اسرائیل کی حمایت کا الزام لگا کر ان سے سفارتی تعلقات منقطع کر دیے تھے۔ اس سے پہلے 1956ء کی سویز جنگ کے دوران بھی شام برطانیہ سے تعلقات توڑ چکا تھا۔ 1967ء کے بعد تقریباً چھ برس تک دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی رابطہ منقطع رہا، یہاں تک کہ 1973ء میں تعلقات بحال ہوئے اور دمشق میں برطانوی سفارت خانہ دوبارہ کھلا۔ اسی برس اکتوبر کی جنگ کے بعد خطے میں نئی سفارتی صف بندی شروع ہوئی جس میں شام نے مغرب سے محدود رابطہ بحال کرنا اپنے مفاد میں سمجھا۔

2۔ شام کی صنعت کا انحصار کس پر ہے؟

شام کی صنعت کا انحصار بنیادی طور پر زراعت اور زرعی پیداوار، خصوصاً کپاس، پر ہے۔ شام کو کبھی "کپاس کا ملک" کہا جاتا تھا اور اس کی ٹیکسٹائل صنعت — کپڑا بنانا، کاتنا اور سلائی — حلب اور دمشق میں صدیوں سے قائم ہے اور ملکی برآمدات و روزگار کا بڑا ذریعہ رہی ہے۔ اس کے علاوہ خوراک کی پروسیسنگ، چینی، آٹا، زیتون کا تیل، سیمنٹ، فاسفیٹ اور شیشہ سازی اہم صنعتیں ہیں۔ 1960ء کی دہائی کے بعد سے مشرقی شام میں تیل اور قدرتی گیس کی پیداوار نے بھی صنعت و آمدنی میں نمایاں حصہ ڈالنا شروع کیا۔ تاہم شامی صنعت کی بنیاد آج بھی زراعت سے جڑی صنعتوں خصوصاً ٹیکسٹائل ہی کو قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ خام مال، مزدور اور روایتی مہارت اسی شعبے سے وابستہ ہیں۔

3۔ آزاد فلسطینی ریاست کا اعلان کب ہوا؟

آزاد فلسطینی ریاست کا اعلان 15 نومبر 1988ء کو ہوا۔ الجزائر کے دارالحکومت الجزائر شہر میں فلسطینی قومی کونسل کے اجلاس میں تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات نے ریاست فلسطین کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلامیے میں 1947ء کی تقسیم کی قرارداد اور قرارداد 242 کی بنیاد پر دو ریاستی حل کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، جسے فلسطینی موقف

میں بڑی تبدیلی سمجھا گیا۔ اعلان کے بعد درجنوں ممالک نے ریاست فلسطین کو تسلیم کیا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اس اعلان کا نوٹس لیا۔ اگرچہ زمینی سطح پر فلسطینی علاقے اسرائیلی قبضے میں رہے، مگر اس اعلان نے فلسطینی قومی شناخت اور سفارتی جدوجہد کو قانونی و سیاسی بنیاد فراہم کی۔

4۔ یہودیوں نے بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کو آگ کب لگائی؟

مسجد اقصیٰ کو آگ 21 اگست 1969ء کو لگائی گئی۔ آسٹریلیا سے آئے ہوئے ایک یہودی انتہا پسند ڈینس روہان نے مسجد اقصیٰ کے اندر آگ لگائی جس سے صلاح الدین ایوبی کا تاریخی منبر اور مسجد کا جنوب مشرقی حصہ بری طرح متاثر ہوا۔ اس واقعے سے پوری مسلم دنیا میں شدید غم و غصہ پھیل گیا۔ اسی ردعمل کے نتیجے میں ستمبر 1969ء میں رباط میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی اور اسلامی کانفرنس تنظیم یعنی او آئی سی کے قیام کی بنیاد پڑی۔ یوں مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کا یہ واقعہ جدید اسلامی تاریخ کا اہم موڑ ثابت ہوا، جس نے منتشر مسلم ممالک کو ایک مشترکہ تنظیم کی ضرورت کا احساس دلایا۔

5۔ عراق میں رشید علی گیلانی کی وزارت کب قائم ہوئی؟

عراق میں رشید علی گیلانی کی وزارت اپریل 1941ء میں قائم ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران عراق میں برطانیہ کی بالادستی کے خلاف جذبات عروج پر تھے۔ اپریل 1941ء میں فوج کے قوم پرست افسروں "سنہری چوکڑی" کی مدد سے رشید علی گیلانی نے حکومت سازی کی اور "حکومت قومی دفاع" کے وزیر اعظم بنے۔ ان کی حکومت نے عراق میں برطانوی فوجی نقل و حرکت کو محدود کرنے کی کوشش کی جس پر برطانیہ نے فوجی کارروائی کی۔ مئی 1941ء کی مختصر جنگ کے بعد رشید علی کی حکومت ختم ہو گئی اور وہ ملک سے فرار ہو گئے۔ تاہم یہ وزارت عراقی قوم پرستی اور برطانوی اثر سے آزادی کی خواہش کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

6۔ عراق میں تیل کب دریافت ہوا؟

عراق میں تیل 1927ء میں دریافت ہوا۔ 15 اکتوبر 1927ء کو شمالی عراق کے شہر کرکوک کے قریب بابا گرگر کے مقام پر کھودے گئے کنویں سے تیل کا عظیم چشمہ پھوٹا، جو اس وقت مشرق وسطیٰ کی سب سے بڑی دریافتوں میں سے ایک تھا۔ اس سے قبل 1923ء سے ترک پیٹرولیم کمپنی (بعد میں عراق پیٹرولیم کمپنی) خطے میں تلاش کا کام کر رہی

تھی۔ کرکوک کی دریافت نے عراق کو تیل پیدا کرنے والے اہم ممالک کی صف میں کھڑا کر دیا، بحیرہ روم تک پائپ لائنیں بچھائی گئیں اور تیل کی آمدنی ملکی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی بن گئی۔ ساتھ ہی تیل کی ملکیت و منافع پر برطانوی کمپنیوں سے کشمکش بھی شروع ہوئی جو 1972ء میں تیل کی قومی ملکیت پر منتج ہوئی۔

7۔ سعودی عرب کے بانی کا کیا نام ہے؟

سعودی عرب کے بانی کا نام شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود تھا جو ابن سعود کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے 1902ء میں کویت سے نکل کر ریاض فتح کیا اور پھر تیس برس کی مسلسل جدوجہد میں نجد اور حجاز کو متحد کیا۔ 1925ء میں مکہ و مدینہ ان کے زیر نگیں آ گئے اور 23 ستمبر 1932ء کو شاہی فرمان کے ذریعے مملکت سعودی عرب کے قیام کا اعلان ہوا۔ عبدالعزیز نے قبائل کو متحد کر کے امن قائم کیا، جدید انتظامیہ کی بنیاد رکھی اور 1938ء میں تیل کی دریافت کے بعد ملکی ترقی کا آغاز کیا۔ ان کا انتقال 1953ء میں ہوا۔ سعودی عرب کی موجودہ ریاست ان کی سیاسی بصیرت اور اتحاد کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

8۔ متحدہ عرب امارات اوپیک کا رکن کب بنا؟

متحدہ عرب امارات کی اوپیک رکنیت کی بنیاد 1967ء میں پڑی جب امارت ابوظہبی اوپیک کی رکن بنی۔ اس وقت امارات ابھی برطانوی عملداری میں تھیں اور تیل کی پیداوار کا مرکز ابوظہبی تھا۔ 2 دسمبر 1971ء کو متحدہ عرب امارات کا وفاق قائم ہوا، اور 1974ء میں وفاق نے ابوظہبی کی رکنیت سنبھال لی؛ یوں متحدہ عرب امارات باقاعدہ طور پر اوپیک کا رکن قرار پایا اور آج تک تنظیم کے اہم ارکان میں شامل ہے۔ امارات کے پاس دنیا کے بڑے تیل ذخائر ہیں — تقریباً تمام ذخائر ابوظہبی میں ہیں — اسی لیے اوپیک کی پیداواری پالیسی میں اس کی آواز وزنی سمجھی جاتی ہے۔ تیل برآمد کرنے والے ممالک کی اس تنظیم کی بنیاد 1960ء میں بغداد میں رکھی گئی تھی۔

9۔ سکندر اعظم نے ایران کو کس صدی میں فتح کیا؟

سکندر اعظم نے ایران کو چوتھی صدی قبل مسیح میں فتح کیا۔ مقدونیہ کے نوجوان بادشاہ سکندر نے 334 قبل مسیح میں ایشیا کی مہم شروع کی اور 333 قبل مسیح میں ایسس کے مقام پر ہخامنشی بادشاہ دارا سوم کو شکست دی۔ فیصلہ کن معرکہ 331 قبل مسیح میں گوگامیلا کے مقام پر ہوا جس کے بعد بابل، سوسا اور پرسپولیس (تخت جمشید) سکندر کے قبضے میں آ

گئے۔ 330 قبل مسیح تک عظیم ہخامنشی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس فتح نے ایران پر یونانی ثقافتی اثرات کا دور شروع کیا اور مشرق و مغرب کے تاریخی ربط میں نیا باب کھولا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ایران کی سرزمین قدیم زمانے سے ہی عالمی طاقتوں کی کشمکش کا میدان رہی ہے۔

10۔ ڈاکٹر مصدق کو ایران کا وزیر اعظم کب بنایا گیا؟

ڈاکٹر محمد مصدق کو ایران کا وزیر اعظم اپریل 1951ء میں بنایا گیا۔ قومی محاذ کے رہنما مصدق تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لینے کی تحریک کے مرکزی کردار تھے۔ ایرانی مجلس نے تیل قومیانے کا قانون منظور کیا تو شاہ نے 28 اپریل 1951ء کو مصدق کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ انہوں نے برطانوی اینگلو ایرانین آئل کمپنی کو قومی ملکیت میں لے کر ایران کے وسائل پر قومی اختیار کی علامت قائم کی۔ تاہم برطانیہ اور امریکہ کی مخالفت، تیل کی ناکہ بندی اور معاشی دباؤ کے بعد اگست 1953ء میں خفیہ کارروائی کے ذریعے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ مصدق کی وزارت ایران کی جدید تاریخ میں قومی خود مختاری کی سب سے نمایاں کوشش سمجھی جاتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ یہ مختصر سوالات مشرق وسطیٰ کی جدید تاریخ کے سنگ میل ہیں: کرکوک میں تیل کی دریافت سے لے کر مسجد اقصیٰ کی آتش زنی اور ریاست فلسطین کے اعلان تک، ہر واقعے نے خطے کی سیاست، معیشت اور اسلامی دنیا کے اتحاد کو متاثر کیا۔ ان حقائق کی درست معلومات اگلے تفصیلی سوالات کے مطالعے کے لیے ضروری بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

سوال نمبر 2: دوسری جنگ عظیم کے دوران اور 1958 تک عراق کے اہم سیاسی واقعات کا تنقیدی جائزہ لیں (20 نمبر)

تعارف

عراق 1932ء میں برطانوی مینڈیٹ سے باضابطہ آزاد ہوا، مگر 1930ء کے معاہدے کے تحت برطانوی فوجی اڈے اور اثر و رسوخ برقرار رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران یہی اثر عراقی سیاست کا مرکزی سوال بن گیا۔ 1941ء کی رشید علی تحریک سے لے کر 1958ء کے انقلاب تک عراق نے قوم پرستی، محل سازشوں، فوجی مداخلت اور عوامی احتجاج کا پورا دور دیکھا۔ اس جواب میں ان واقعات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

جدول2: عراق کے اہم سیاسی واقعات 1941ء تا 1958ء

نتیجہ	واقعہ	سال
برطانوی کارروائی سے خاتمہ	رشید علی گیلانی کی حکومت	1941ء
پورٹسماؤتھ معاہدہ منسوخ	الوثبہ عوامی تحریک	1948ء
اصلاحات کا مطالبہ	الانتفاضہ / احتجاج	1952ء
مغربی کیمپ سے وابستگی	بغداد پیکٹ کی رکنیت	1955ء
بادشاہت کا خاتمہ، جمہوریہ کا قیام	عرب وفاق اور پھر 14 جولائی انقلاب	1958ء

دوسری جنگ عظیم اور رشید علی تحریک (1941ء)

جنگ کے آغاز پر عراق میں دو دھڑے تھے: نوری السعید کی قیادت میں برطانیہ نواز گروہ، اور رشید علی گیلانی و "سنہری چوکڑی" کے قوم پرست افسر جو محور طاقتوں سے ہمدردی رکھتے تھے اور برطانوی تسلط سے نجات چاہتے تھے۔ اپریل 1941ء میں رشید علی نے "حکومت قومی دفاع" قائم کی اور حبانیہ کے برطانوی اڈے کے گرد محاصرہ کر لیا۔ برطانیہ نے اردن و بھارت سے فوجیں بھیج کر مئی 1941ء میں بغداد پر قبضہ کر لیا، رشید علی فرار ہو گئے اور نوری السعید دوبارہ اقتدار میں آئے۔ تنقیدی طور پر یہ تحریک عراقی عوام کی آزادی خواہی کی اصل نمائندہ تھی، مگر اس کی حکمت عملی ناپختہ تھی: محور کی فتح پر انحصار، فوجی تیاری کی کمی اور سفارتی تنہائی نے اسے ناکام بنایا۔ نتیجتاً برطانوی اثر مزید گہرا ہو گیا۔

جنگ کے بعد کی سیاسی کشمکش اور عوامی تحریکیں

جنگ کے بعد عراق میں سیاسی جماعتوں کو محدود آزادی ملی اور 1946ء میں کئی جماعتیں قانونی ہوئیں، مگر محل اور نوری السعید کی گرفت برقرار رہی۔ سب سے بڑا بحران 1948ء میں آیا جب برطانیہ سے نیا پورٹسماؤتھ معاہدہ کرنے کی کوشش پر بغداد میں "الوثبہ" کے نام سے مشہور عوامی بغاوت پھوٹ پڑی؛ طلبہ اور مزدور سڑکوں پر آ گئے، گولیاں چلیں اور حکومت کو معاہدہ منسوخ کرنا پڑا۔

1952ء میں "الانتفاضہ" کے احتجاج نے براہ راست انتخابات اور اصلاحات کا مطالبہ کیا۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ عراقی عوام برطانوی اثر اور شاہی نظام دونوں سے بے زار ہو چکے تھے، مگر جمہوری ادارے اتنے کمزور تھے کہ احتجاج بار بار کچل دیا جاتا۔ تیل کی آمدنی بڑھنے کے باوجود سماجی ناہمواری اور جاگیر داری برقرار رہی۔

1955ء تا 1958ء: بغداد پیکٹ، سویز بحران اور وفاق کا تجربہ

1955ء میں عراق نوری السعید کی پالیسی کے تحت بغداد پیکٹ (بعد کا سینٹو) کا بانی رکن بنا، جس نے عراق کو مغربی دفاعی نظام سے جوڑ دیا۔ عرب قوم پرست حلقوں نے اسے استعمار کی نئی صورت قرار دیا۔ 1956ء میں سویز پر اینگلو فرانسیسی حملے کے وقت عراقی حکومت کی خاموشی نے عوامی غصے کو مزید بڑھایا۔

فروری 1958ء میں مصر و شام کے اتحاد کے جواب میں عراق اور اردن نے "عرب وفاق" قائم کیا، مگر یہ محلاتی اتحاد عوامی جذبات سے کٹا ہوا تھا۔ معاشی عدم مساوات، بدعنوانی، فلسطین کے مسئلے پر بے بسی اور نوری السعید کی طویل آمرانہ گرفت نے فوج کے نوجوان افسروں کو انقلاب پر آمادہ کیا۔ یوں 14 جولائی 1958ء کو عبدالکریم قاسم اور عبدالسلام عارف کی قیادت میں انقلاب آیا، بادشاہ فیصل دوم اور نوری السعید قتل ہوئے اور جمہوریہ کا اعلان ہو گیا۔

تنقیدی جائزہ

اس دور کا تنقیدی خلاصہ یہ ہے کہ عراق کی سیاسی ناکامی کی جڑ نیم خود مختار ریاست تھی: آزادی کاغذی تھی، اصل فیصلے برطانوی مشیروں اور اڈوں کے سائے میں ہوتے تھے۔ فوج سیاست میں بار بار داخل ہوئی — 1936ء سے 1941ء تک کئی بغاوتیں ہوئیں — جس نے جمہوری روایت پنپنے نہ دی۔ محل، بڑے جاگیرداروں اور برطانوی مفادات کے گٹھ جوڑ نے سماجی اصلاحات روک دیں۔

دوسری طرف اسی دور میں عراقی قوم پرستی پختہ ہوئی، تعلیم و صحافت پھیلی اور الوثبہ جیسی تحریکوں نے عوامی شعور بیدار کیا۔ 1958ء کا انقلاب انہی ناکامیوں کا منطقی انجام تھا۔ مؤرخین عموماً اس نتیجے پر متفق ہیں کہ اگر شاہی نظام برطانوی اثر ختم کر کے حقیقی جمہوری و سماجی اصلاحات کرتا تو انقلاب کی نوبت شاید نہ آتی۔ عراق کا یہ سبق پورے خطے کی مسلم ریاستوں کے لیے قابل غور ہے۔

عراقی بادشاہت کے زوال کی بنیادی وجوہات کا خلاصہ

1958ء کے انقلاب کو محض فوجی سازش سمجھنا درست نہیں؛ یہ دہائیوں کے جمع شدہ دباؤ کا پھٹنا تھا۔ پہلی وجہ سماجی ناہمواری تھی: عراق کی زرعی زمین کا بڑا حصہ چند ہزار بڑے جاگیرداروں کے پاس تھا، جبکہ کسان قرض اور محرومی میں جیتے تھے۔ تیل کی بڑھتی آمدنی نے شہروں میں چمک پیدا کی، مگر دیہی علاقے اور شہری غریب بستیاں اس ترقی سے باہر رہیں۔ دوسری وجہ سیاسی بندش تھی: نوری السعید نے حزبِ اختلاف کو سختی سے دبایا، صحافت پر قدغنیں لگیں اور انتخابات میں حکومتی مداخلت معمول بن گئی۔ تیسری وجہ خارجی وابستگی تھی جس نے بادشاہت کو قوم پرست نسل کی نظر میں "برطانوی مہرہ" بنا دیا۔

اس پس منظر میں فوج کے نوجوان افسر—جن میں سے اکثر متوسط طبقے سے تھے—تبدیلی کے ایجنٹ بنے۔ مصر کے انقلاب 1952ء اور ناصر کی مقبولیت نے انہیں عملی نمونہ فراہم کیا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ انقلاب کے بعد جمہوریہ نے بغداد پیکٹ سے علیحدگی اختیار کر لی اور زمین کی اصلاحات کا اعلان کیا، جن کا عوام کو طویل انتظار تھا۔ یوں 1958ء محض حکومت کی تبدیلی نہیں، عراق کے سماجی و خارجی رخ کی تبدیلی تھی۔ اس دور کا تنقیدی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ جب ریاستی نظام عوامی امنگوں سے کٹ جائے اور خارجہ پالیسی قومی عزتِ نفس سے ٹکرائے تو تبدیلی فوجی شکل اختیار کر لیتی ہے—یہی وہ سبق ہے جو اس یونٹ کی اصل روح ہے۔

نتیجہ

نتیجتاً 1939ء تا 1958ء کا عراقی دور قوم پرستی اور استعماری اثر کی کشمکش کی تاریخ ہے۔ رشید علی کی ناکام کوشش، الوثبہ کا عوامی احتجاج اور بغداد پیکٹ کی متنازع پالیسی نے بالآخر بادشاہت کو غیر مقبول کر دیا اور 14 جولائی 1958ء کے انقلاب نے عراق کو جمہوریہ بنا دیا۔ ان واقعات کی جڑیں نامکمل آزادی اور غیر جمہوری طرزِ حکمرانی میں تھیں۔

سوال نمبر 3: سعودی عرب کے شاہ فیصل اور شاہ فہد کے دورِ حکومت کا تفصیلی جائزہ لیں نیز سعودی عرب کی معیشت کے اہم محرکات بیان کریں (20 نمبر)

تعارف

شاہ فیصل (1964ء–1975ء) اور شاہ فہد (1982ء–2005ء) کے ادوار سعودی عرب کی جدید تاریخ کے دو فیصلہ کن دور ہیں۔ فیصل نے مملکت کو مالی نظم، تعلیمی انقلاب اور اسلامی یکجہتی کی سفارت کاری دی، جبکہ فہد کے دور میں تیل کی دولت سے بڑے پیمانے کی تعمیر و ترقی ہوئی اور سعودی عرب عالمی سیاست کا مرکزی کھلاڑی بنا۔ اس جواب میں دونوں ادوار کا تفصیلی جائزہ اور سعودی معیشت کے اہم محرکات بیان کیے گئے ہیں۔

جدول 3: شاہ فیصل اور شاہ فہد کے ادوار کا موازنہ

پہلو	شاہ فیصل (1964–1975)	شاہ فہد (1982–2005)
داخلی ترجیح	مالی نظم، تعلیم، دس نکاتی پروگرام	تعمیر و ترقی، صنعتی شہر، بنیادی قانون 1992ء
خارجہ ترجیح	اسلامی یکجہتی، او آئی سی، 1973ء تیل پابندی	امریکہ سے قریبی تعاون، خلیج جنگ 1990–91ء
معاشی خصوصیت	تیل آمدنی میں اضافے کا آغاز	تیل دولت سے بڑے پیمانے کی ترقی
خاص لقب / شناخت	اسلامی دنیا کے رہنما	خادم الحرمین الشریفین

شاہ فیصل کا دور: اصلاحات اور استحکام

شاہ فیصل 1964ء میں اپنے بھائی شاہ سعود کو معزول کر کے تخت نشین ہوئے۔ اس وقت مملکت مالی بحران اور قرضوں میں گھری تھی۔ فیصل نے بطور وزیر اعظم پہلے ہی "دس نکاتی پروگرام" پیش کیا تھا جس میں غلامی کا خاتمہ، عدالتی اصلاحات، تعلیم کی توسیع اور معاشی منصوبہ بندی شامل تھی۔ انہوں نے بجٹ کا نظم قائم کیا، لڑکیوں کی تعلیم شروع کی—جو اس دور کا انقلابی قدم تھا—اور جامعات و اسکولوں کا جال بچھایا۔

فیصل نے آبپاشی، سڑکوں اور بندرگاہوں کے منصوبے شروع کیے اور اقوام متحدہ کے ماہرین کی مدد سے پہلا پانچ سالہ منصوبہ تیار کیا۔ ان کی ذاتی سادہ زندگی اور مذہبی وابستگی نے انہیں عوام میں احترام دیا۔ مارچ 1975ء میں اپنے ہی بھتیجے کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

شاہ فیصل کی اسلامی سفارت کاری اور تیل کی پالیسی

فیصل کی خارجہ پالیسی کا محور اسلامی یکجہتی تھا۔ انہوں نے مسلم ممالک کے دورے کیے، 1969ء میں او آئی سی کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا اور مسجد اقصیٰ کے مسئلے کو عالمی سطح پر اجاگر کیا۔ عرب اشتراکیت اور کمیونزم کے مقابلے میں انہوں نے اسلام کو انقلابی متبادل کے طور پر پیش کیا۔

اکتوبر 1973ء کی جنگ کے موقع پر فیصل نے امریکہ کے خلاف تیل کی پابندی کی قیادت کی، جس سے تیل کی قیمت چار گنا بڑھ گئی اور سعودی عرب عالمی توانائی سیاست کا مرکز بن گیا۔ اس فیصلے نے انہیں عالم اسلام کا ہیرو بنا دیا۔ تجزیہ کار مانتے ہیں کہ فیصل نے تیل کو پہلی بار مؤثر سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

شاہ فہد کا دور: تعمیر و ترقی کا عروج

شاہ فہد 1982ء میں تخت نشین ہوئے؛ اس سے قبل بطور ولی عہد وہ عملی حکمران تھے۔ ان کے دور میں تیل کی آمدنی سے عظیم تعمیری منصوبے مکمل ہوئے: شاہراہوں، ہوائی اڈوں، اسپتالوں اور جامعات کا قیام، جوبیل و ینبع کی صنعتی شہر آباد کاری، اور زراعت میں خود کفالت کی پالیسی جس سے سعودی عرب گندم برآمد کرنے لگا۔ 1992ء میں نظام حکومت سے متعلق بنیادی قانون اور مجلس شوریٰ کا قیام عمل میں آیا۔

فہد نے حرمین شریفین کی عظیم توسیع کرائی، جس پر انہیں "خادم الحرمین الشریفین" کا لقب ملا۔ خارجی میدان میں 1990ء–91ء کی خلیج جنگ ان کے دور کا سب سے نازک مرحلہ تھی: کویت پر عراقی قبضے کے بعد انہوں نے اتحادی افواج کو سعودی سرزمین پر جگہ دی، جس سے کویت آزاد ہوا، مگر اس فیصلے پر داخلی مذہبی حلقوں میں تنقید بھی ہوئی۔

2005ء میں ان کا انتقال ہوا۔

سعودی معیشت کے اہم محرکات

سعودی معیشت کا سب سے بڑا محرک تیل ہے۔ مملکت کے پاس دنیا کے سب سے بڑے ثابت شدہ تیل ذخائر ہیں اور یہ دنیا کی بڑی تیل برآمد کنندہ ریاست ہونے کے ناتے اوپیک میں پیداواری پالیسی کی رہنما ہے۔ 1973ء کے بعد تیل کی قیمتوں میں اضافے نے آمدنی کو اربوں ڈالر تک پہنچا دیا، جس سے حکومت کی ترقیاتی صلاحیت بڑھی۔ دوسرا محرک قدرتی گیس اور پیٹرو کیمیکل صنعت ہے؛ سبک (SABIC) جیسی کمپنیوں نے معیشت کو تنوع دیا۔

تیسرا محرک حکومتی منصوبہ بندی اور سرکاری سرمایہ کاری ہے: تعلیم، صحت، پانی کی صفائی و تزئین (ڈی سیلینیشن)، زراعت اور انفراسٹرکچر پر بھاری خرچ معیشت کو حرکت دیتا ہے۔ چوتھا محرک مذہبی سیاحت ہے — حج و عمرہ سے سالانہ اربوں کی آمدنی اور لاکھوں افراد کا روزگار جڑا ہے۔ اس کے باوجود ناقدین خبردار کرتے ہیں کہ تیل پر ضرورت سے زیادہ انحصار، نجی شعبے کی محدودیت اور غیر ملکی مزدوروں پر انحصار سعودی معیشت کی ساختی کمزوریاں ہیں، جن کے حل کے لیے تنوع کی پالیسیاں جاری ہیں۔

تیل کی دولت اور سماجی تبدیلی: ایک جائزہ

فیصل اور فہد کے ادوار کا مشترکہ پہلو تیل کی دولت سے آنے والی سماجی تبدیلی ہے، جس کا جائزہ اس سوال کا حصہ ہے۔ 1970ء کی دہائی میں سعودی عرب میں متوسط طبقہ تیزی سے وسیع ہوا؛ جامعات سے فارغ نوجوان انتظامیہ، تیل صنعت اور بینکاری میں آئے، خواتین کی تعلیم و ملازمت میں بتدریج اضافہ ہوا، اور حجاز و نجد کے پرانے تجارتی شہروں کے ساتھ ساتھ نئے صنعتی شہر ابھرے۔ فہد کے دور میں صحت و تعلیم مفت فراہم کرنا ریاست کی پالیسی رہی، جس نے انسانی ترقی کے اشاریوں میں سعودی عرب کو خطے میں آگے رکھا۔

تاہم سماجی تبدیلی نے اپنے سوالات بھی پیدا کیے۔ غیر ملکی افرادی قوت کی بڑے پیمانے آمد نے ثقافتی شناخت پر بحث چھیڑی؛ نوجوان نسل کی بڑھتی توقعات اور روزگار کا دباؤ حکومت کے لیے مستقل ترجیح بنا؛ اور مذہبی اداروں و جدید تقاضوں کے درمیان توازن قائم رکھنا ہر دور کی قیادت کا امتحان رہا۔ فیصل نے اس توازن کو دینی وقار اور اصلاح کے امتزاج سے سنبھالا، جبکہ فہد نے ادارہ جاتی ترقی اور اقتصادی وسعت پر زور دیا۔ معاشی محرکات کی بحث کا آخری نکتہ یہ ہے کہ سعودی عرب کی اصل کامیابی یہ رہی کہ اس نے

تیل کی وقتی دولت کو سڑکوں، بندرگاہوں، جامعات اور صنعتی شہروں جیسی مستقل صورتوں میں بدلا، البتہ آنے والی نسلوں کے لیے تیل کے بعد کی معیشت تیار کرنا اس کا سب سے بڑا امتحان ہے، جس کے لیے انسانی وسائل کی ترقی ہی اصل محرک بن سکتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ شاہ فیصل نے سعودی عرب کو نظم، تعلیم اور اسلامی سفارت کاری کی بنیاد دی، جبکہ شاہ فہد کے دور میں تیل کی دولت جدید انفراسٹرکچر اور عالمی اثر و رسوخ میں تبدیل ہوئی۔ سعودی معیشت کے محرکات میں تیل و گیس سرفہرست ہیں، جس کے ساتھ پیٹرو کیمیکل، حکومتی سرمایہ کاری اور حج و عمرہ کی معیشت شامل ہے؛ مگر پائیدار ترقی کے لیے تیل سے آگے کا تنوع ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

سوال نمبر4: متحدہ عرب امارات کے وسائل اور ترقی کا تنقیدی جائزہ لیں نیز اس کی خارجہ پالیسی کے اہم محرکات واضح کریں(20 نمبر)

تعارف

متحدہ عرب امارات 2 دسمبر 1971ء کو سات امارتوں کے وفاق کی صورت میں وجود میں آیا۔ چند دہائیوں میں یہ وفاق صحرائی امارتوں سے دنیا کے بڑے تجارتی و مالیاتی مراکز میں بدل گیا، جس کی بنیاد تیل و گیس کے وسائل اور شیخ زاید بن سلطان النہیان کی دور اندیش قیادت تھی۔ اس جواب میں امارات کے وسائل و ترقی کا تنقیدی جائزہ اور خارجہ پالیسی کے اہم محرکات واضح کیے گئے ہیں۔

وسائل: تیل، گیس اور جغرافیہ

امارات کا بنیادی وسیلہ تیل ہے۔ دنیا کے ثابت شدہ تیل ذخائر کا بڑا حصہ اس کے پاس ہے، جن میں سے تقریباً چھیانوے فیصد ابوظہبی میں ہیں۔ 1962ء میں ابوظہبی سے تیل کی برآمد شروع ہوئی؛ دبئی میں 1969ء میں تیل دریافت ہوا جو مقدار میں کم تھا مگر تجارت کو سہارا دینے کے لیے کافی ہوا۔ اس کے علاوہ قدرتی گیس کے وسیع ذخائر، خلیج فارس پر طویل ساحل، اور ایشیا، یورپ و افریقہ کے سنگم پر واقع جغرافیائی پوزیشن امارات کے اصل وسائل ہیں۔

انسانی وسیلے کے اعتبار سے صورتحال منفرد ہے: مقامی آبادی کم ہے اور افرادی قوت کی اکثریت غیر ملکی کارکنوں پر مشتمل ہے، جو معیشت کی طاقت بھی ہے اور سماجی چیلنج بھی۔ شارجہ، راس الخیمہ اور فجیرہ جیسی امارتیں ماہی گیری، زراعت، سیمنٹ اور کان کنی سے آمدنی حاصل کرتی ہیں، مگر وفاق کا مالی مرکز ابوظہبی ہی رہا۔

ترقی کا تنقیدی جائزہ

ترقی کے میدان میں امارات کی کامیابیاں غیر معمولی ہیں: جدید بندرگاہیں (جبل علی دنیا کی بڑی مصنوعی بندرگاہوں میں سے ہے)، ہوائی اڈے، فری زونز، امارات و اتحاد ایئرلائنز، سیاحت، رئیل اسٹیٹ اور مالیاتی خدمات نے دبئی کو عالمی شہر بنا دیا۔ فی کس آمدنی دنیا کی بلند ترین شرحوں میں شامل ہو گئی، شہریوں کو تعلیم، صحت اور روزگار کی سہولتیں حاصل ہوئیں اور سیاسی استحکام برقرار رہا۔

تنقیدی نظر سے چند کمزوریاں نمایاں ہیں۔ پہلی، آمدنی کا ارتکاز ابوظہبی کے تیل پر ہونے کی وجہ سے وفاقی تیل کی عالمی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے براہ راست متاثر ہوتا ہے؛ 2009ء میں دبئی کا قرض بحران اس کی مثال ہے، جسے ابوظہبی کی مدد سے سنبھالا گیا۔ دوسری، آبادیاتی عدم توازن — شہری اقلیت اور غیر ملکی اکثریت — طویل المدت سماجی سوال ہے۔ تیسری، پانی و توانائی کی کھپت دنیا میں بلند ترین ہے، جو ماحولیاتی پائیداری کے لیے چیلنج ہے۔ اس کے باوجود مجموعی جائزہ مثبت ہے، کیونکہ قیادت نے تیل آمدنی کو طویل المدت اثاثوں، سیوورن ویلتھ فنڈز اور غیر تیلی شعبوں میں منتقل کرنے کی شعوری پالیسی اختیار کی۔

خارجہ پالیسی کے اہم محرکات

امارات کی خارجہ پالیسی کا پہلا محرک سلامتی ہے۔ چھوٹی آبادی اور حساس جغرافیے کی وجہ سے امارات نے امریکہ اور مغربی طاقتوں سے دفاعی تعاون، ایران اور عراق جیسے بڑے ہمسایوں سے توازن، اور خلیج تعاون کونسل (1981ء) کے ذریعے اجتماعی سلامتی کو ترجیح دی۔ 1990ء–91ء کی خلیج جنگ میں امارات اتحادی افواج کا حصہ تھا۔

دوسرا محرک معاشی مفاد ہے: تجارت، سرمایہ کاری اور توانائی کی منڈیوں تک رسائی امارات کی سفارت کاری کی سمت متعین کرتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایشیا کی بڑھتی معیشتوں سے گہرے تعلقات بنائے۔ تیسرا محرک عرب و اسلامی یکجہتی ہے: فلسطین کے مسئلے کی حمایت، عرب لیگ و او آئی سی میں فعال کردار اور انسانی امداد کے بڑے

پروگرام اس کی پہچان ہیں۔ چوتھا محرک علاقائی ثالثی اور نرم طاقت ہے — دبئی کی تجارتی شہرت، امدادی سرگرمیاں اور ثقافتی مراکز امارات کو اس کے حجم سے بڑا اسفارتی وزن دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اماراتی خارجہ پالیسی بقا، خوش حالی اور اثر و رسوخ کے تین اہداف کا متوازن امتزاج ہے۔

امارات کا ترقیاتی نمونہ: دیگر ریاستوں کے لیے اسباق

متحدہ عرب امارات کے تجربے کو اکثر "تیل سے تجارت تک [illegible] کامیاب سفر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس میں دیگر چھوٹی ریاستوں کے لیے کئی اسباق ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ وفاقی ڈھانچے نے سات الگ امارتوں کو ایک معاشی قوت میں بدل دیا: [illegible] وسائل اور دبئی کی تجارتی ذہانت نے ایک دوسرے کو مکمل کیا۔ دوسرا سبق قیادت کا تسلسل ہے؛ شیخ زاید کی طویل حکمرانی نے پالیسیوں کو استحکام دیا اور وفاق کے اندرونی اختلافات کو گفت و شنید سے حل کرنے کی روایت قائم ہوئی۔ تیسرا سبق یہ ہے کہ کھلی معاشی پالیسی، محفوظ ماحول اور دنیا سے جڑنے کی خواہش ہی چھوٹے ملک کو عالمی مرکز بنا سکتی ہے۔

اس کے ساتھ تنقیدی توازن بھی ضروری ہے۔ امارات کی ترقی کا بڑا حصہ سرکاری منصوبہ بندی اور تیل کے سرمائے سے ممکن ہوا، جو ہر ملک کو میسر نہیں؛ اس لیے اس نمونے کی نقل آسان نہیں۔ نیز سیاسی شراکت کا دائرہ محدود رہا اور فیصلہ سازی کا نظام شاہی خاندانوں کے گرد گھومتا ہے۔ خارجہ پالیسی کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ امارات نے ہمیشہ تنازعات سے بچنے، امدادی سفارت کاری اور اقتصادی مفادات کو مقدم رکھنے کی کوشش کی؛ فلسطین سمیت عرب مسائل پر اس کا مؤقف عرب اتفاق رائے کے اندر رہا۔ مجموعی طور پر امارات کا معاملہ ثابت کرتا ہے کہ محدود رقبہ اور کم آبادی کے باوجود دانشمند قیادت، وسائل کا صحیح استعمال اور متوازن خارجہ پالیسی کسی ریاست کو اس کے حجم سے کئی گنا بڑا کردار دلا سکتی ہے۔

تیل کے بعد کی معیشت: امارات کی حکمت عملی

امارات کی ترقی کے جائزے کا ایک اہم باب "تیل کے بعد" کی تیاری ہے۔ قیادت نے اس مقصد کے لیے سیوورن ویلتھ فنڈز میں دنیا بھر میں سرمایہ کاری کی، دبئی کو تجارت، لاجسٹکس، ہوابازی اور کانفرنس سیاحت کا مرکز بنایا، اور ابوظہبی نے ثقافت و تعلیم کے عالمی منصوبوں — جامعات کی شاخیں، عجائب گھر اور صاف توانائی کا شہر مصدر — کے ذریعے نئی شناخت بنائی۔ قابل تجدید توانائی میں سرمایہ کاری اور بین الاقوامی قابل تجدید توانائی ایجنسی (IRENA) کے صدر دفتر کی میزبانی اسی حکمت عملی کی علامت ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اماراتی قیادت وسائل کو مال نہیں، ذریعہ سمجھتی ہے؛ یہی شعور اس کی ترقی کو عارضی خوش حالی سے الگ کرتا ہے، اور یہی نقطہ اس کے تنقیدی جائزے میں سب سے زیادہ وزنی ہے۔

نتیجہ

نتیجتاً متحدہ عرب امارات نے محدود وسائل — مگر غیر معمولی تین دو[illegible] — کو دور اندیش قیادت سے عالمی معیار کی ترقی میں بدلا۔ اس کی کمزوریاں تیل پر انحصار، آبادیاتی توازن اور ماحولیاتی دباؤ ہیں، جبکہ خارجہ پالیسی سلامتی، تجارت، اسلامی یکجہتی اور نرم [illegible]ت کے مرکات سے تشکیل پاتی ہے۔ امارات کا تجربہ چھوٹی ریاستوں کے لیے کامیاب ریاستی تعمیر کا قابل مطالعہ نمونہ ہے۔

سوال نمبر 5: ایران کے شاہ محمد رضا کے دور کے اہم واقعات کا تنقیدی جائزہ لیں نیز ایران کی خارجہ پالیسی کی وضاحت کریں (20 نمبر)

تعارف

محمد رضا شاہ پہلوی 1941ء میں تخت نشین ہوئے اور 1979ء کے انقلاب تک ایران کے حکمران رہے۔ ان کا دور تیل قومیانے کے بحران، 1953ء کی بغاوت، سفید انقلاب اور اسلامی انقلاب جیسے عظیم واقعات پر محیط ہے۔ یہ دور جدید ایران کو سمجھنے کی بنیاد ہے۔ اس جواب میں ان واقعات کا تنقیدی جائزہ اور شاہ کے دور کی خارجہ پالیسی کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔

جدول 4: شاہ محمد رضا کے دور کے اہم واقعات

اہمیت	واقعہ	سال
پہلوی دور کا نیا مرحلہ	محمد رضا کی تخت نشینی	1941ء
حکومت کا تختہ الٹنا	تیل قومیاکاری اور مصدق بحران	1951ء–1953ء
اصلاحات اور مخالفت کا آغاز	سفید انقلاب	1963ء

خطے کی سیاست میں تبدیلی	خلیج میں ایرانی کردار کی توسیع	1971ء
سرحدی تنازع کا وقتی حل	الجزائر معاہدہ (عراق سے)	1975ء
بادشاہت کا خاتمہ	اسلامی انقلاب	1979ء

ابتدائی دور اور مصدق کا بحران (1941ء–1953ء)

دوسری جنگ عظیم کے دوران اتحادیوں نے رضا شاہ کو معزول کر کے ان کے بیٹے محمد رضا کو تخت پر بٹھایا؛ ایران عملاً اتحادی قبضے میں رہا۔ جنگ کے بعد سوویت فوجوں کے انخلا کا مسئلہ اور آذربائیجان کا بحران پیدا ہوا، جسے سفارت کاری سے حل کیا گیا۔ اسی عرصے میں تیل کو نہ مبانے کی تحریک اٹھی: مجلس نے ڈاکٹر محمد مصدق کی قیادت میں 1951ء میں تیل کو قومی ملکیت قرار دیا اور مصدق وزیر اعظم بنے۔

برطانیہ نے ایران کی تیل ناکہ بندی کی اور عالمی عدالت میں مقدمہ لڑا۔ معاشی بحران اور داخلی انتشار کے ماحول میں اگست 1953ء میں برطانوی و امریکی خفیہ ایجنسیوں کی حمایت سے فوجی بغاوت ہوئی، مصدق گرفتار ہوئے اور شاہ، جو ملک چھوڑ چکے تھے، واپس آ کر مضبوط حکمران بن گئے۔ یہ واقعہ ایرانی سیاست پر دیرپا سایہ ڈالے رہا، کیونکہ قوم پرست طبقے نے شاہ کو غیر ملکی طاقتوں کا مہرہ سمجھنا شروع کر دیا۔

سفید انقلاب اور داخلی صورتحال

1963ء میں شاہ نے "سفید انقلاب" کے نام سے اصلاحات کا پروگرام شروع کیا: زمین کی اصلاحات، جنگلات کی قومیاکاری، خواتین کو ووٹ کا حق، مزدوروں کا منافع میں حصہ اور تعلیم و صحت کی دستیاں دیہات تک بھیجی گئیں۔ ان اصلاحات سے معاشی ترقی تیز ہوئی، تیل کی قیمتوں میں اضافے کے بعد 1970ء کی دہائی میں ایران خطے کی بڑی معاشی و فوجی طاقت بن گیا۔

تاہم تنقیدی جائزہ بتاتا ہے کہ ترقی آمرانہ ڈھانچے میں ہوئی۔ سیاسی جماعتیں کچل دی گئیں، ساواک (خفیہ پولیس) نے مخالفین کو دبایا، زمینی اصلاحات نے علما اور بازار کے روایتی طبقات کو ناراض کیا، اور تیل دولت نے بدعنوانی و مہنگائی بڑھائی۔ آیت اللہ خمینی کی 1963ء میں گرفتاری اور جلاوطنی نے مذہبی مخالفت کو منظم شکل دی۔ یوں ترقی اور جبر کا امتزاج 1979ء کے انقلاب کی زمین تیار کرتا رہا۔

خارجہ پالیسی کی وضاحت

شاہ محمد رضا کی خارجہ پالیسی امریکہ اور مغرب سے قربت پر مبنی تھی۔ ایران 1955ء میں بغداد پیکٹ کا رکن بنا، 1959ء میں امریکہ سے دفاعی تعاون کا معاہدہ ہوا اور امریکہ نے ایران کو جدید اسلحہ فراہم کیا۔ نکسن نظریے کے تحت ایران خلیج فارس کا "محافظ" قرار پایا۔ 1971ء میں برطانوی انخلا کے بعد ایران نے خلیج میں بڑا کردار سنبھالا اور تین جزائر پر قبضہ کیا، جس سے عرب ریاستوں سے کشیدگی ہوئی۔

ساتھ ہی شاہ نے عملی توازن بھی رکھا: سوویت یونین سے معاشی معاہدے ہوئے، 1975ء میں عراق سے الجزائر معاہدہ کر کے حدی تنازع اور کرد مسئلے کا وقتی حل نکالا گیا، اور اسرائیل سے پردے کے پیچھے تعاون جاری رہا۔ تیل کی محاذ پر ایران اوپیک میں سخت موقف کا حامی رہا اور 1973ء کے بعد قیمتوں کے اضافے سے فائدہ اٹھایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شاہ کی پالیسی کا مقصد ایران کو مغربی کیمپ کے اندر خطے کی سب سے بڑی طاقت بنانا تھا، مگر امریکہ پر حد سے زیادہ انحصار قومی خودداری کے سوال کو جنم دیتا رہا اور بالآخر یہی خارجہ پالیسی انقلاب کے نعروں — "نہ مشرق، نہ مغرب" — کا ہدف بنی۔

شاہ کی پالیسیوں کا ایرانی معاشرے پر اثر: مجموعی تجزیہ

شاہ محمد رضا کی پالیسیوں کا ایرانی معاشرے پر اثر دو دھاری رہا، جس کا مجموعی تجزیہ اس جائزے کو مکمل کرتا ہے۔ ایک طرف شہری متوسط طبقہ پھیلا، خواتین نے تعلیم و ملازمت میں نمایاں حصہ لیا، سڑکوں، ڈیموں، کارخانوں اور جامعات نے ایران کا نقشہ بدل دیا اور تہران جدید شہر کی شکل اختیار کر گیا۔ دوسری طرف اسی تبدیلی کی رفتار نے روایتی معاشرے کو بے چین کیا: بازار کے تاجر زمین و بینکاری اصلاحات سے خائف ہوئے، علما نے حد سے بڑھتی مغربیت کو دینی اقدار کے لیے خطرہ سمجھا، اور نوجوان طلبہ سیاسی آزادی کے فقدان سے مایوس ہوئے۔ تیل کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ نے 1977ء کے آس پاس معاشی سست روی پیدا کی، جس نے اس بے چینی کو احتجاج میں بدل دیا۔

امام خمینی کی قیادت نے ان بکھرے ہوئے طبقات — علما، بازار، طلبہ اور مزدور — کو ایک چھتری تلے جمع کیا، یہی اتحاد شاہ کی ناکامی کی اصل بنیاد بنا۔ خارجہ پالیسی کے اعتبار سے بھی تجزیہ یہی ہے کہ امریکہ سے قربت نے اسلحہ اور وقتی تحفظ تو دیا، مگر قومی خودداری کے جذبے کو مجروح کیا اور انقلاب کے "استقلال، آزادی، اسلامی جمہوریہ" کے نعرے کو عوامی زبان دی۔ اس لیے مؤرخین شاہی دور کو "ترقی بغیر شراکت" کا دور کہتے ہیں — ترقی تھی، مگر اس کے فیصلوں میں عوام اور ان کے نمائندہ طبقات شریک نہ تھے۔ یہی تنقیدی خلاصہ اس پورے دور کی سیاست اور اس کے انجام کو سمجھنے کی کنجی ہے۔

1970ء کی دہائی کا عروج اور آخری برس

محمد رضا شاہ کے دور کے آخری مرحلے کا ذکر بھی ضروری ہے۔ 1971ء میں پرسپولیس میں شاہی نظام کی ڈھائی ہزار سالہ تقریبات نے شاہ کی خود پسندی اور ماضی سے جڑے قومی فخر کو ظاہر کیا، مگر ان تقریبات پر ہونے والے بھاری اخراجات عوامی سطح پر تنقید کا نشانہ بنے۔ 1973ء کے اوپیک تیل آمدنی کے سیلاب نے ترقیاتی منصوبوں کی رفتار غیر معمولی کر دی، حتیٰ کہ معیشت اس رفتار کو جذب نہ کر سکی اور مہنگائی و بدعنوانی کے الزامات بڑھ گئے۔ شاہ نے 1975ء میں تمام جماعتیں ختم کر کے واحد "رستاخیز پارٹی" بنا دی، جس نے سیاسی گھٹن کو آخری حد تک پہنچا دیا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں 1978ء کے احتجاج انقلاب میں بدلے۔ اس تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کا زوال کسی ایک واقعے کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ طویل عرصے سے جمع ہونے والے سیاسی، معاشی اور مذہبی عوامل کا منطقی انجام تھا۔

نتیجہ

مجموعی طور پر محمد رضا شاہ کا دور ترقی اور تنازع سے بھرپور تھا: تیل کی دولت سے ایران طاقتور ہوا، سفید انقلاب نے معاشرہ بدلا، مگر جمہوری آزادیوں کی کمی، غیر ملکی انحصار اور مذہبی طبقات کی بیگانگی نے بادشاہت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ 1979ء کا اسلامی انقلاب انہی پالیسیوں کا ردعمل تھا۔ ان کی خارجہ پالیسی مغرب نواز اور خطے میں ایرانی برتری کے گرد گھومتی تھی۔